عورت، سماجی تبدیلی اور ذمہ داریاں

عابدہ فرحین ○

تبدیلی ایک فطری عمل ہے۔ صرف ایک عشرہ گزرتے ہی دنیا میں معاشرتی سطح پر کچھ نہ کچھ تبدیلی فطری طور پر محسوس ہونے لگتی ہے۔ پھر ایک نسل کے بعد دوسری نسل نمایاں تبدیلی کے ساتھ آتی ہے۔ تاہم ۸۰ کے عشرے سے لے کر اب تک آنے والی تبدیلی، بلاشبہہ تبدیلی کی ایک بڑی لہر ہے، جس میں ٹکنالوجی اور خصوصاً میڈیا نے مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ معلومات کی ایک یلغار ہے، جو ہر طرف سے ذہنوں تک پہنچ کر انھیں متاثر کر رہی ہے۔ ہر کوئی یہ استعداد نہیں رکھتا کہ معلومات کے اس سیلاب میں سے اپنی اقدار اور اپنی اصل (roots) کے مطابق چیزوں کو پرکھ اور چھانٹ کر الگ کرسکے۔ پھر تیز رفتار گلوبلائزیشن کے اس عمل میں ہر طبقۂ فکر نے اپنی سمجھ، عقل اور استعداد کے مطابق اپنے کام کو آگے بڑھایا اور اپنے اہداف حاصل کرنے کی پوری کوشش کی۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ کسی معاشرے کی تہذیب اس کی اقدار و روایات، اس کی اٹھان اور اس کا مزاج بنیادی طور پر عورت کے ہاتھوں تشکیل پاتا ہے اور آیندہ نسلوں تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ عورت میں قدرتی طور پر وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں، جو نہ صرف نسلوں کی آبیاری کرتی ہیں بلکہ ان پر بہت زیادہ اثرات بھی مرتب کرتی ہیں۔ اسلامی تاریخ میں حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ اور بہت سی مسلم خواتین ہیں، جن کا معاشرے کے بناؤ بلکہ قانون سازی میں بھی کلیدی کردار رہا ہے، جس کی نمایاں مثالیں حضرت عمرؓ کے دور میں نظر آتی ہیں۔

۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ نے وجود میں آتے ہی انسانی حقوق اور خواتین کے حقوق کے

○ صدر، ورکنگ ویمن ویلفیئر آرگنائزیشن، پاکستان

کمیشن بنائے۔ بعدازاں خواتین کے حقوق کی مناسبت سے متعدد عالمی کانفرنسیں اور عالمی معاہدے تشکیل دیے گئے۔ دسمبر ۱۹۷۹ء میں خواتین کو استحصال سے نجات دلانے کا معاہدہ طے کیا گیا، جس کے تحت عورت کے خلاف امتیازی سلوک و قوانین کے خاتمے اور عورت کو معاشی، سماجی، آزادی، اسقاطِ حمل اور شادی ختم کرنے کے یکساں اختیارات جیسے حقوق پر بات کی گئی ہے۔ اس معاہدے کی بنیاد انصاف کے بجاے مساوات پر رکھی گئی۔ پھر نہ صرف پہلے سے قائم تنظیموں اور اداروں نے ان عنوانات کو اپنے پروگراموں میں شامل کیا، بلکہ بہت سی نئی این جی اوز کو یہ ایجنڈا دے کر ترقی پذیر ممالک میں سرگرم عمل کیا گیا۔ اس ایجنڈے کو آگے بڑھانے کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے:

نیویارک میں ہونے والے یو این ویمن کے ایگزیکٹو بورڈ کے پہلے عمومی اجلاس ۹ فروری ۲۰۱۶ء میں یو این ویمن ایگزیکٹو ڈائریکٹر نے اپنے کلیدی خطاب میں کہا: ''ہمارا ۲۰۳۰ء تک کے لیے مرکزی ایجنڈا یہ ہوگا: 'جنسی تفریق سے بالاتر مساوات' اور 'خواتین کی خودمختاری'۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پچھلے برسوں میں عورت کے حوالے سے مخصوص ایجنڈے کے تحت سیمی نار اور کانفرنسیں بھی ہوئیں۔ مختلف فلمیں اور دستاویزی پیش کشیں تیار کی گئیں، جو اپنی اثر پذیری کی وجہ سے افراد اور معاشرے تک اپنا پیغام کامیابی سے پہنچا رہی ہیں۔ اپنی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے انھیں فراہمی فنڈ کی کوئی کمی نہیں اور تیسری طرف وہ ایوارڈز اور حوصلہ افزائی کی بھی حق دار ٹھیرتی ہیں۔ آغا خان فاؤنڈیشن کے این جی اوز ریسورس سینٹر کی رپورٹ کے مطابق: ''پاکستان میں کام کرنے والی این جی اوز کو ۵۲ کے قریب ادارے فنڈز فراہم کرتے ہیں، جن میں سے ایک چوتھائی کے دفاتر امریکا اور ۱۲ فی صد کے لندن میں ہیں''۔ اسی رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ: ''۸۷ فی صد فنڈز خواتین کے حوالے سے کام کرنے والی این جی اوز کو دیے جاتے ہیں''۔

اس وقت ملک میں ۵۰ ہزار سے زائد این جی اوز کام کر رہی ہیں، جب کہ غیرملکی این جی اوز کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض کا کام صرف کاغذ کی بنیاد پر ہی ہے، لیکن کچھ ایسی بھی ہیں جو بلاشبہہ خدمتی کام انجام دے رہی ہیں۔ یہ صحت و صفائی و ماحولیات وغیرہ کے حوالے سے کاموں کا بیڑا اٹھانے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ ان میں بائیں بازو سے تعلّق رکھنے والے افراد بھی ہیں اور دائیں بازو سے تعلّق رکھنے والے بھی، اور بہت سے ایسے افراد اور گروہ بھی کام کر رہے

ہیں جن کا شمار واضح طور پر دائیں یا بائیں بازوؤں میں سے کسی سے نہیں، لیکن وہ خدمت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ البتہ خواتین سے متعلّق ایشوز کے حوالے سے دیکھا جائے تو وہاں پر ہمیں لبرل خیالات کے حامل افراد ہی سرگرم نظر آتے ہیں، جو بہت منظّم اور مضبوط تنظیموں اور اداروں کی شکل میں متحرک ہیں۔ اس کے برعکس اگر مذہبی شناخت رکھنے والی چند این جی اوز اس عنوان پر کام کر بھی رہی ہیں، تو وہ اپنے وزن کے اعتبار سے ان سے بہت کم اور چھوٹی ہیں۔

خواتین ایشوز پر تنظیموں کا کام

'پاکستان میں غیرت کے نام پر قتل اور قانون کا نفاذ' کے موضوع پر ملیحہ ضیا کئی برسوں سے کام کر رہی ہیں۔ ان کے نزدیک 'غیرت کے نام پر قتل' کا مسئلہ پاکستان کے دیہی علاقوں میں زیادہ گمبھیر ہے۔ خواتین کے حوالے سے کام کرنے والی تنظیموں میں 'وار' نامی این جی او نے کاروکاری کے خلاف، اپنے دعوے کے مطابق ۲۶۰ مقدمات رپورٹ کیے۔ دیگر مختلف گروپوں نے 'قتلِ غیرت'، گھریلو تشدد، کاروکاری، جہیز ایک لعنت، اجتماعی زیادتی جیسے عنوانات کو موضوع بحث بناتے ہوئے 'تحریکِ حُریتِ نسواں' کے کام کو آگے بڑھایا اور قانون سازی کے لیے بھی کام کیا۔

پچھلے ۲۰ برسوں میں ملک کی بڑی یونی ورسٹیوں میں 'ویمن ڈویلپمنٹ' اور مطالعہ صنفیات (Gender Studies) کے شعبے کھلے ہیں۔ ابتدائی زمانے میں اگر ان میں رجسٹریشن کم بھی رہی، تو گلگت، چترال اور تربت وغیرہ سے لاکر طالبات کو وظائف پر داخلے دیے گئے۔ یہاں پر بھی انھی نظریات اور انھی گروہوں کی برتری اور نمایاں کردار رہا، جنھوں نے ان عنوانات پر جم کر کام کیا تھا۔

آزاد اور تیز رفتار الیکٹرانک میڈیا بھی 'عورت کے موضوع' پر خاطر خواہ خدمات انجام دینے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ عورت اور اس کی خود انحصاری، مردوں سے عورت کی بغاوت، اپنے حقوق کا مطالبہ اور اس کے لیے ڈٹ جانا، یعنی عورت بمقابلہ مرد، میڈیا کا مسلسل اور سلگتا ہوا موضوع چلا آ رہا ہے۔ تفریحی چینلوں پر آنے والے ہر پانچ میں سے چار پروگرام خواہ کوئی ڈراما ہو، بحث مباحثہ ہو یا صبح کے پروگرام، وہ اسی نقطۂ نظر کو آگے بڑھاتے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ چند ڈرامے سماجی مسائل پر بھی بنے، لیکن ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ اس وقت ملک میں لائسنس یافتہ ۱۲۰ سے زائد ٹیلی ویژن چینل کام کر رہے ہیں، جب کہ انٹرنیٹ ٹی وی اور ریڈیو وغیرہ

اس کے علاوہ ہیں۔ ان میں بمشکل ہی کوئی گروہ ڈھونڈے سے ملتا ہے، جو کسی درجے میں یہ کہے کہ بغاوت کے بجاے وہ قوم کو کوئی اچھا پیغام دینے یا ان کی تربیت کی کوشش کر رہا ہے۔

اسی طرح کم عمری کی شادی پر 'دختر' کے عنوان سے فلم بنی۔ اس فلم کی ڈائریکٹر نے پاکستان کے مشہور اداروں سے پڑھنے کے بعد کولمبیا یونی ورسٹی امریکا سے تعلیم حاصل کی اور پھر ینگ ویمن کرسچن ایسوسی ایشن سے وابستگی اختیار کی، اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے لیے کام کیا۔

پاکستان میں عورتوں کے چہروں کو تیزاب سے جلائے جانے پر 'سیونگ فیس' نام کی دستاویزی فلم بنی۔ دیگر فلموں کے علاوہ 'غیرت کے نام پہ قتل' پر دستاویزی فلم 'اے گرل ان دی ریور' بنائی گئی، جس نے آسکر ایوارڈ بھی حاصل کیا۔

اثرات: اس ساری صورت حال سے جو نتائج سامنے آئے وہ درج ذیل ہیں:

- عورت کے حوالے سے دنیا کے نقشے پر پاکستان کا چہرہ انتہائی بھیانک بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گویا یہاں عورت پر جسمانی و نفسیاتی مظالم روا رکھے جاتے ہیں اور اس کو کسی طرح کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ کیوں کہ پاکستان اور اسلام کا آپس میں گہرا تعلق ہے، اس لیے اس سارے منظرنامے کو اسلام سے منتھی کر دیا جاتا ہے۔ کہیں یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ مذہبی نہیں بلکہ رسم و رواج کا مسئلہ ہے۔ یہ نہیں بتایا جاتا کہ اسلام بذات خود ان مظالم کی نفی کرتا ہے، لیکن دنیا بھر میں اس تمام تر جہالت کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے لیے بطورِ ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔
- مرد اور عورت کے امتزاج سے بننے والے معاشرے کی عمارت میں جہاں مرد و عورت دونوں کو متوازن و مضبوط ستونوں کی حیثیت میں کھڑا نظر آنا چاہیے تھا، وہاں انھیں ایک دوسرے کے مدمقابل لا کھڑا کیا گیا ہے۔ جہاں گاڑی کے دونوں پہیوں کو کمال مہارت سے زندگی کی گاڑی کو منزل کی طرف رواں دواں کرنا چاہیے تھا، وہاں ان کی آپس میں ٹکر لگوانا شروع کر دی گئی ہے۔
- بجاے اس کے کہ مردوں کو پیغام یہ ملتا کہ عورت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں محبت، قدر اور احترام کے قابل ہے، اس کو یہ سکھایا جاتا کہ میدان عمل میں جہاں جہاں عورت اس کے ساتھ شریک عمل ہے، وہاں اس کو عورت کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا ہے۔ اُلٹا عورت کو یہ سمجھایا جانے لگا کہ اس معاشرے میں اگر عورت پر کوئی ظلم ہو رہا ہے یا اس کی حق تلفی ہو رہی ہے تو

اس کا ذمہ دار صرف اور صرف مرد ہے۔ لہٰذا، اسے اپنے حقوق کے لیے مرد کے خلاف ڈٹ جانا چاہیے۔ حالاں کہ مرد و عورت دونوں کو یہ پیغام پہنچنا چاہیے تھا کہ زندگی تصادم کا نہیں بلکہ سمجھنے، سمجھانے اور باہم چلنے کا نام ہے۔ صرف حقوق کا نہیں بلکہ حقوق و فرائض میں توازن کا نام زندگی ہے۔

● عورت کو 'مرد گریز' پیغام دینے میں جن ذرائع اور وسائل کو بروے کار لایا گیا، انھی وسائل و ذرائع سے مرد کی تربیت کی بھی یہ کوشش کی جانی چاہیے تھی کہ اس کے کیا فرائض اور ذمہ داریاں ہیں؟ اس کا کام صرف اپنی بات منوانا نہیں بلکہ بحیثیت 'قوام' اس معاشرے کی صورت گری کرنا اور اپنے ساتھ چلنے والوں کے حقوق بھی ادا کرنا ہے۔ دوسری طرف عورت اس بازگشت کے نتیجے میں 'نسوانی خوداختیاریت' کے نام پر منفی انداز کے 'حُریت نسواں' کا شکار ہونے لگی، حتیٰ کہ دینی سوچ رکھنے والے بعض گروہوں اور تنظیموں میں بھی کسی درجے میں یہ اثرات پیدا ہونے لگے۔

● بلاشبہہ تعلیم کے مواقع، اظہار راے کی آزادی، اپنے حقوق کا شعور، اپنے اوپر اعتماد، صحت کے مواقع، زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے یکساں مواقع اور معاشی مضبوطی یہ سب کچھ عورت کا بالکل بنیادی حق ہے، لیکن عاقبت نااندیش ناخداؤں کے اندھا دھند کام اور ترجیحات کو اُلٹ پلٹ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاشرے کی ترتیب و تنظیم ہی تلپٹ ہو کر رہ گئی۔ مردوں نے محنت سے جی چرانا شروع کر دیا۔ ان میں آگے بڑھنے کا جذبہ معدوم ہونے لگا۔ اپنی ذمہ داریوں کو آگے بڑھ کر قبول کرنے کے بجاے دوسروں کے کاندھوں پر ڈالنے میں انھیں آسانی محسوس ہونے لگی۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ اگر حالات کا دھارا اسی رُخ پر بہتا رہا تو پاکستان میں مستقبل میں تعلیم یافتہ مردوں کی قلت ہو جائے گی۔ زیادہ تر یونی ورسٹیوں میں لڑکیوں کی تعداد ۷۰ فی صد تک پہنچ چکی ہے۔ اس بات کا اندازہ درج ذیل شواہد سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ۲۰۱۳ء اور ۲۰۱۴ء میں کراچی یونی ورسٹی میں لڑکیوں کی تعداد لڑکوں کے مقابلے میں ۷۳ فی صد تھی، جب کہ این ای ڈی یونی ورسٹی میں ۵۰:۵۰ کا تناسب تھا۔ پنجاب یونی ورسٹی میں زیادہ تر شعبوں میں نمایاں طور پر طالبات کی برتری دو تہائی سے زیادہ ہے۔ اسی طرح صرف آغا خان میڈیکل کالج کراچی میں ۲۰۱۳ء اور ۲۰۱۴ء میں مردوں اور عورتوں کا تناسب ۵۰:۵۰ پایا گیا، جب کہ سندھ میڈیکل یونی ورسٹی اور ڈاؤ میڈیکل یونی ورسٹی میں یہ تناسب لڑکوں کے مقابلے میں ۷۰ اور ۷۳ فی صد طالبات ہیں۔

ہمارے یہاں کی لڑکیوں میں محنت سے آگے بڑھنے کا جذبہ پایا جاتا ہے اور اس کے لیے مواقع بھی محدود ہیں۔ دوسری جانب افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ مردوں کے لیے محنت اور آگے بڑھنے کے راستے میں کوئی طبعی رکاوٹ موجود نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ان کی تعداد کا گراف تیزی سے نیچے جا رہا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کر ہوا؟ اگر بگاڑ کی قوتیں کام کر رہی ہیں تو سدھار کا عندیہ رکھنے والوں کے لیے بھی میدان کھلا ہے۔ اگر ایک طرف معاشی مضبوطی و خود انحصاری ہے، تو دوسری طرف مخلص اور مضبوط نظریات کی حامل قیمتی افرادی قوت بھی موجود ہے۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ کسی معاشرے میں کاروکاری، قتلِ غیرت، گھریلو تشدد، عورتوں کی وراثت ہڑپ کر جانا، غیر موزوں نسبتیں اور شادیاں، جہیز کو وراثت کا نعم البدل سمجھ کر وراثت کے تصور کو مٹا دینا، مہر کو صرف ایک کاغذی کارروائی بنا دینا، لڑکیوں کے لیے ابتدائی تعلیم کے یکساں مواقع نہ ہونا، تیزاب اور چولھا پھٹنے سے عورتوں کا جلنا اور اسی نوع کی دیگر ناانصافیاں اور زیادتیاں ہوں اور خیر کا جذبہ رکھنے والے اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے کام کرنے والے گروہ تڑپ نہ اٹھیں؟ اگر عملی کام میں دشواریاں ہوں، تب بھی اس ظلم کے خلاف اٹھنے والی آوازوں میں سب سے بلند ان کی آواز کیوں نہ ہو؟ سب سے سنجیدہ کام انھی کا کام کیوں نہ ہو؟ کسی ایک گروہ کا مؤثر کام نہ کرنا، یا اپنے حصّے کا کام نہ کرنا کسی دوسرے گروہ کے لیے یہ جواز فراہم نہیں کرتا کہ وہ بھی اس میدان میں کام نہ کرے۔

کرنے کے کام

۱- یکسوئی کے ساتھ سوچ بچار اور غور و فکر کا عمل بنیادی اہمیّت کا حامل ہے۔ قرآن میں بھی بار بار اس عمل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ صرف بھاگنے دوڑنے اور ہنگامی انداز سے کیا جانے والا کوئی کام، خواہ وہ استعداد سے چار گنا زیادہ کیوں نہ ہو، وہ نتیجہ نہیں لا سکتا جو ماضی، حال اور مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے، سوچ بچار اور تجزیے کے بعد کیا جانے والا کام لا سکتا ہے۔ اسی لیے دنیا بھر میں بہت سی سیاسی پارٹیاں، حکومتیں اور کمرشل ادارے بھی اپنے ہاں مراکز غور و فکر (R&D سنٹرز) کو غیر معمولی اہمیّت دیتے ہیں اور اس کے لیے بجٹ بھی مختص کرتے ہیں۔

دینی اداروں اور تنظیموں کو اور دینی و سیاسی پارٹیوں کو یا تو مشترکہ طور پر ورنہ کم از کم

اپنے اپنے ہاں ایسے تھنک ٹینک بنانے چاہییں، جو اپنے معاشرے کا بالخصوص اور عالمی دنیا کا بالعموم تجزیہ کریں، گمراہی کے گڑھے کی طرف لے جانے والے بنیادی نوعیت کے مسائل اور وجوہ کی نشان دہی کریں۔ اسی طرح ان اچھی صفات کا بھی ادراک کریں، جو اس معاشرے کو تبدیل کرنے میں جوہری کردار ادا کرسکتی ہیں۔ ان سب سے پہلے اپنا بھی تجزیہ کریں اور اپنے رویے کی اصلاح پر بھی سوچیں کہ اگر ہم بحیثیت فرد یا بحیثیت گروہ کوئی تبدیلی لانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی کن کمزوریوں کو دُور کرنا ہوگا اور کن خوبیوں کو بہتری کے لیے استعمال کرنا ہوگا۔ بالخصوص عورت کے حوالے سے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس معاشرے کے حقائق کیا ہیں؟ کون سے مظالم ایسے ہیں، جن کو کسی بھی صورت میں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، اور کون سے حقائق ایسے ہیں جو کسی اور مسئلے کی پیداوار ہیں، ان کو کیسے حل کیا جائے؟ یہاں بھی ردعمل کے بجاے مثبت اور فعال سوچ اپنانے کی ضرورت ہے۔

۲- معاشرے میں مثبت کام کرنے کا دعویٰ رکھنے والی تمام تنظیموں کو اپنی ممبرشپ کی شرائط میں بھی اپنے خاندان کی خواتین کے نان نفقہ، مہر اور وراثت وغیرہ جیسے حقوق کی ادایگی کو شامل کرنا چاہیے۔

۳- اس کے لیے فوری اور جلد نتیجہ دینے والے کاموں کو اہمیت دینا ہوگی تاکہ طوفان کا رُخ موڑا جائے۔ جب تک یہ غوروفکر اور عمل وتدبیر کی فعال شکلیں نہیں بنیں گی تب تک طویل المیعاد منصوبہ نہیں سوچا جاسکے گا، کوئی دوررس منصوبہ نہیں بن پائے گا اور وہ ٹھوس اقدامات نہیں ہوسکیں گے، جن کے نتیجے میں ۱۰سال، ۲۰ سال اور ۵۰ سال بعد کوئی مطلوب تبدیلی آسکتی ہو۔

۴- ہر سال طویل المیعاد منصوبے کی روشنی میں کچھ طلبہ وطالبات کو تخصص کے لیے رہنمائی دی جانی چاہیے کہ دیگر موضوعات کے علاوہ پاکستانی سماج اور عورت اور پاکستانی سوسائٹی کے حوالے سے کچھ اہداف خصوصاً طے کر کے تخصص حاصل کرایا جانا چاہیے۔

۵- مسائل کا حل ڈھونڈنے اور قوانین بنانے سے پہلے آگاہی اور تربیت کا مرحلہ ہوتا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں اس کا ہی فقدان ہو تو وہاں قانون کچھ نہیں کرسکتا۔ یہ ذمہ داری بھی انھی کی ہے کہ جو قانون کی اہمیت کو بھی سمجھتے ہیں۔ لٰہذا وہ اعلیٰ تعلیمی ادارے، ریسرچ سنٹر اور وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد، جو سمجھتے ہوں کہ عورت کے عنوان اور اس کی مظلومیت کا سہارا لے کر اس معاشرے کی ترتیب کو اُلٹ پلٹ کیا جارہا ہے، اس کے ذریعے خاندانی نظام پر کاری ضرب لگائی جارہی ہے،

ان صالح فطرت لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور صنفی موضوعات پر مطالعے کی نفی کے بجاے اس کو اپنی اقدار کی بنیاد پر استوار کریں۔ یہ مطالعے صرف خواتین کی ترقی کے موضوع پر نہ ہوں، بلکہ اس کا موضوع مجموعی انسانی ترقی ہو، جہاں مرد اور عورت دونوں کی ترقی اور تربیت کے لیے کام کیا جائے۔ عورت کی ترقی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد کی ترقی نظرانداز کی جائے بلکہ دونوں کو ترقی کی طرف گامزن کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے کی ایک کوشش یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی ایسا نصاب تیار کیا جائے، جہاں خاندانی استحکام کے حوالے سے عورت اور مرد دونوں کو ان کی سماجی ذمہ داریوں سے آگاہی دی جائے (جو بدقسمتی سے ہمارے تعلیمی نظام میں مفقود ہے)۔ اپنے فرائض اور مخالف صنف کے حقوق بتائے جائیں۔ ان کی بہتر بجاآوری کے لیے بیداری پیدا کی جائے۔

اس قسم کی توجہ مبذول کرانے کے مختلف طریقے ہوسکتے ہیں، مثلاً جس طرح کمرشل اور دعوتی ادارے مختلف عنوانات پر ورکشاپس کراتے ہیں، ان عنوانات پر بھی پروگرام ہوسکتے ہیں، یا جس طرح کمیونٹی ورک کے کچھ گھنٹے پورے کرنے پر ہی ڈگری کا حصول ممکن ہے، اداروں میں اس ٹریننگ کو بھی ڈگری سے مشروط کرانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ ڈگری جاری کرنے والے اداروں کو یہ سفارش بھیجی جاسکتی ہے کہ ڈگری کا اجرا اس ٹریننگ سے مشروط کیا جائے، لیکن اس سے بھی پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ بہت اچھے اور معیاری کورسز تیار کیے جائیں، جو اعلیٰ تعلیمی اداروں سے نکلنے والے طلبہ و طالبات کو ایک بہتر ذمہ دار شہری بنانے میں بحیثیت مرد یا عورت مددگار ثابت ہوں۔

۶- تحفظ خواتین پر موجود قوانین پر عمل درآمد تو بلاشبہہ حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن اس پر مطلوبہ ٹھوس کام، اس کے نفاذ کا مطالبہ، اس کے لیے معاشرے، حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں پر دباؤ ڈالنا، اور اس کے لیے پریشر گروپ کے طور پہ کام کرنا بھی بہت ضروری ہے۔

۷- تعلیم براے روزگار کے تصور کے بجاے تعلیم براے تربیت کو ہر سطح پر اجاگر کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ بالخصوص لڑکیوں کو عملی زندگی کے مطابق نہ صرف کیریئر کونسلنگ فراہم کی جائے، بلکہ معاشرے میں ملازمتوں میں لچک دار اوقاتِ کار کے تصور کو بھی اُجاگر کیا جانا چاہیے۔

جس طرح طوفان اور زلزلے زمین کی جغرافیائی ہیئت کو بدل دیتے ہیں، اسی طرح موجودہ دور کی اس تبدیلی کے طوفانی جھٹکوں سے ہمارا معاشرہ بھی تیزی سے اپنی ہیئت کی تبدیلی

(transformation) کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس ساری صورت حال میں جن لوگوں کو اس طوفان اور اس کی شدت اور اس سے ہونے والے نقصان کا ادراک ہی نہیں، ان کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن جو اس کا ادراک رکھتے ہیں، جن کو اللہ نے دانش مندی، سوجھ بوجھ اور رہنمائی سے نوازا ہے، ان کے سامنے آج بھی بہت بڑا سوال ہے، اور کل بھی وہ جواب دہ ہیں کہ ان کی کیا استعداد تھی؟ اس کے مطابق انھوں نے کیا کیا؟ جو لوگ تبدیلی کے خواہاں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس معاشرے کے تمام مسائل کے حل کے لیے الہامی ہدایات موجود ہیں اور وہ اس نقشۂ کار کے وارث ہیں کہ جس پر چل کر 'شر' کے بجائے 'خیر' کو لایا جاسکتا ہے، تو یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ میدان خالی نہ چھوڑیں اور اپنے کاموں کی منصوبہ بندی میں اپنی ترجیحات کا رُک کر ضرور جائزہ لیتے رہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا کرنا تھا؟ کیا نہیں ہوسکا؟ اور کس طرح بہتر انداز سے آیندہ پیش رفت کرنی ہے؟

خرم مرادؒ آپ کے درمیان ہیں

★ تربیت چند بنیادی اصول ★ تربیت کیوں؟ ★ رب سے ملاقات ★ ایک عالم منتظر (مزدوروں اور طلبہ سے خطاب)
★ قوموں کا عروج و زوال ★ تربیت کیوں اور کیسے؟ ★ اختلاف اُمت ★ ایمان اور ہجرت، جہاد
★ عرش کا خزانہ ★ موجودہ حالات اور ہماری دعوت ★ دعوت عام کی بنیادیں ★ حج کا پیغام
★ The Prophet (PBUH) ★ نماز اور امامت نماز ہر معاملے میں مدداللہ سے قلب نگاہ اور زبان

ہدیہ ۴۵۰ روپے

سدابہار کیلنڈر 6
تذکیر بھی
تزکیہ بھی ــــ تاریخ بھی

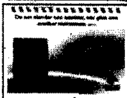
دُعا کیلنڈر — ۳۱ دُعائیں — قرآن کیلنڈر — سدابہار — حرمین کیلنڈر

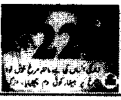
نونہال — شاہین کیلنڈر

ملک بھر کے تحریکی مکتبوں سے حاصل کیجیے یا ہم سے رابطہ کریں
ایس ایم ایس پر آرڈر کے لیے 0333-4507510
www.sb.com.pk

سمع و بصر
منصورہ ملتان روڈ لاہور۔ فون: 042-3525 2223

راس الحکمۃ مخافۃ اللہ
WISE
WOMEN'S INTERNATIONAL SCHOOL OF EXCELLENCE
فیڈرل بورڈ اسلام آباد سے الحاق شدہ
خواتین کی تعلیم و تربیت کا معیاری رہائشی ادارہ
وائز سکول اینڈ کالج
برائے خواتین
مکمل اسلامی ماحول کے ساتھ
معیاری ہاسٹل
5 کنال پر مشتمل کشادہ اور وسیع کیمپس
قرآن مجید "مکمل" ترجمہ و تفسیر کے ساتھ
جدید ترین سائنس و کمپیوٹر لیب
مستحق مگر ذہین طالبات کے لیے خصوصی سکالرشپ
جسمانی تربیت اور کھیلوں کے لیے Indoor گراؤنڈ
انگلش/عربی لینگوئج، خطاطی، پینٹنگ اور سلائی کڑھائی کے خصوصی کورسز
WE OFFER
School Section
Play Group to Matric
Science / Arts
College Section
F.A/F.Sc/ICS/B.A/B.Sc
حافظ تنویر احمد
ڈائریکٹر
APPLY NOW
FOR
F.A, F.Sc, ICS
&
B.A, B.Sc
WISE School & College
New Abadi, Bhara Kahu, Islamabad
Tel: 051-2303663, 2303940 E-mail: wiseisb@yahoo.com
Website: wise.org.pk